شاہدِ عادل کہ بے تصدیقِ او
زندگی مارا چو گل را رنگ و بو
در حضورش کس نماند استوار
ور بماند ہست او کامل عیار
ذرۂ از کف مدہ تابے کہ ہست
پختہ گیر اندر گرہ تابے کہ ہست
تابِ خود را بر فزودن خوشتر است
پیشِ خورشید آزمودن خوشتر است
پیکرِ فرسودہ را دیگر تراش
امتحانِ خویش کن "موجود" باش
ایں چنیں "موجود" محمود است و بس
ورنہ نارِ زندگی دود است و بس +

## حاصلِ کلام

علامہ محمد اقبال ایک طویل عرصہ مغربی مکاتیب فلسفہ اور دوسرے مغربی علوم کا مطالعہ کرنے اور یورپ میں رہ کر خود مغربی حکماء سے استفادہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دانش مغرب انسان کو خدا پرستی کی بجائے الحاد اور مادہ پرستی سکھاتی ہے۔ یہ تہذیب اور اس کے علمی نظریات انسان کو مظاہر پرست بنا دیتے ہیں۔ یعنی جدید سائنس کی رُو سے حقیقت محض مادی ہے نہ خدا ہے، نہ روح، نہ معاد ہے اس کی رُو سے علم کے حصول کا ذریعہ حواس خمسہ کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ یعنی وحی الہام اور مذہبی تجربات اور واردات کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ صرف عضوی ناہموار اور خلل دماغی کا نتیجہ ہیں۔ ان نظریات کے برخلاف علامہ کی پختہ اور مدلل رائے یہ ہے کہ۔

---

+ جاوید نامہ،

© rasailojaraid

یہ ہے کہ مادیت زندگی کی توجیہہ نہیں کر سکتی ۔ جو مسلک قلب انسانی کی تسلی کا سامان مہیا نہ کر سکے وہ ہمیشہ کے لئے انسانوں کے لئے قابل قبول نہیں ہو سکتا ۔

تجربیت کے حامی صوفیانہ کشف اور مذہبی مشاہدات کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ان کے سامنے معیارِ حق و صداقت صرف حسی ادراک سے حاصل شدہ واقعات سے مطابقت اور ہم آہنگی ہے ۔ علامہ کا موقف یہ ہے کہ تجربیت پسند بھی عقل کے بغیر کام نہیں کرتے ۔ کیونکہ ادراک محض ادراک ہے، جب تک اسے دوسرے ادراکات سے مربوط نہ کیا جائے ۔ یہ ربط قائم کرنا حواس کا کام نہیں بلکہ عقل کا کام ہے ۔ اس فعل کے راہنما اصول ایسے ہیں جن کی کلی تصدیق محض ادراکی تجربے سے ممکن نہیں ۔ اسی طرح محض تجزبی اور عقلی طریقہ مذہبی مسائل میں قطعاً کارآمد نہیں ہے ۔ یہاں انسان کو وجدانی بصیرت کی مدد کی ضرورت ہے ۔ مذہبی حقائق کی تصدیق صرف ماورا حس حقیقت کے بلاواسطہ وجدان سے حاصل ہو سکتی ہے ۔ لیکن یہ وجدان کیا ہے ؟ علامہ کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک بلند تر علم ہے ، مابعد الطبیعی حقیقت سے متعلق ایک بصیرت اور کشف جو صاحبِ کشف کو زندگی سے فراریت کی بجائے عمل پیہم اور اخلاق سعی وجہد کے لئے ابھارتا ہے اور یوں انسان خود کے لئے ترقی و ارتقاء کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے ۔

بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد ــــــ اور
بعثتِ محمدی کی تکمیلی و تکمیلی شان ــــــ نیز
انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ــــــ
ایسے اہم موضوعات پر
ڈاکٹر اسرار احمد
کی
حد درجہ جامع تصنیف
نبی اکرم کا مقصدِ بعثت
کا مطالعہ کیجیے
اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ طباعت ○ قیمت فی نسخہ ۴ روپے
مرکزی انجمن خدام القرآن ○ ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور

id.com

# علامہ فضل حق خیر آبادی

حکیم محمود احمد برکاتی

علامہ فضل حق خیر آبادی، الٰہیات، علم کلام، منطق اور فلسفے کے امام وقت تھے۔ برعظیم کے معقولین میں ابتدا سے اب تک ان کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے، عالم اسلام کے فلاسفہ میں وہ محقق نصیر الدین طوسی، میر باقر داماد اور صدر الدین شیرازی کے ہم صف اور ہم رتبہ محققین میں سے تھے، طبعیات، الٰہیات، اور منطق میں ان کی تالیفات، شروح اور حواشی، فلاسفۂ عالم اسلام میں ان کے مقام کا تعین کرتے ہیں، نصف صدی تک مسلسل تدریس کرتے رہے اور تلامذہ کی ایک معقول تعداد نے آپ سے کسب کمال کیا اور یوں آپ منطق و کلام کے ایک جدید مکتب فکر۔ مکتب خیر آباد کے بانی قرار پائے۔

علوم میں اس مقام بلند کے ساتھ آپ کی حیات کا ایک تابناک باب یہ ہے کہ آپ نے عنفوان شباب سے آخر عمر تک اعلیٰ انتظامی مناصب پر فائز رہ کر سیاست مدن اور تدبیر مملکت کے جوہر دکھائے، وقت آنے پر، استخلاص وطن کے لئے مجاہدین حریت کی مدبرانہ قیادت کی اور اس کی پاداش میں وطن سے نکالے کوسوں دور، کالے پانی بھیج دیئے گئے اور وہیں وصال فرمایا۔

علامہ ایک باخدا، صاحب دل اور متدین بزرگ بھی تھے، تہجد کی نماز بالالتزام ادا فرماتے اور روزانہ ایک منزل قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، حُبّ رسول ؐ کی دولت بھی آپ کو ارزانی ہوئی تھی، آپ کی عربی شاعری کا بڑا حصّہ نعتیہ قصائد پر مشتمل ہے۔ جو ذات رسالت مآب ؐ سے آپ کی شیفتگی کے آئینہ دار ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ وہ ایک جامع کمالات شخصیت تھے اور ان غیر معمولی ارباب کمال میں سے تھے جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، بڑی مشکل سے پیدا ہوتے ہیں۔

© rasailojaraid

علّامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیرآبادی (ف ۱۸۲۹ء) تھے، جو خود ایک نامور عالم اور معقولات کے یگانۂ عصر فضلائیں سے تھے۔ مرقاۃ المنطق اور تلخیص الشفا جیسی کتب کے مصنف اور ممتاز مدرس تھے، مولانا اپنے وطن خیرآباد سیتاپور، یوپی، سے ۱۱ ویں صدی کی ابتدا میں دہلی تشریف لے آئے تھے اور یہاں کمپنی کے زیرِ انتظام پہلے عدالت کے مفتی اور پھر صدر الصدور ہو گئے تھے۔

علامہ فضل حق کی ولادت ۱۲۱۲ھ / ۱۷۹۷ء میں ہوئی، حدیث کے علاوہ باقی تمام علوم کی تحصیل اپنے فاضل اجل والد ماجد سے کی، حدیث کی تعلیم کے لئے اس دور کے نامور مدرس شاہ عبدالقادر دہلوی کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے مفتی صدرالدین خاں آزردہ ابتدا سے شاہ صاحب کی درس گاہ تک علامہ کے رفیق درس رہے، ۱۳ سال کی عمر میں ۱۸۱۰ء میں علوم معقول و منقول کی تحصیل سے فراغت حاصل کی اور اس نوعمری کے دور میں تدریس کا بھی آغاز کر دیا مولانا فضل امام نے دہلی میں نو وارد ہونے کے باوجود اپنے فضل و کمال کے زور پر ایک مدرس کی حیثیت سے اپنا حلقہ بنا لیا تھا اور معقولات کے لئے طلبہ ان سے استفادہ کرنے بھیجے جاتے تھے، چنانچہ مولانا نے اپنے اس نوخیز فرزند کے سپرد بھی چند اسباق فرما دیئے اور علامہ نے بڑے اعتماد سے اپنی عمر سے دو چند سہ چند عمر کے طلبہ کو درس دینا شروع کر دیا۔ اسی دور میں علامہ نے اپنی نوجوانی کی ترنگ میں ایک غبی مگر معمر طالب علم کی غباوت پر جھنجھلا کر کتاب اٹھا کر پھینک دی، اس نے مولانا فضل امام سے جا کر شکایت کر دی، مولانا نے اسی کے سامنے اپنے ہونہار فرزند کو بلا کر طالبان علوم کے ساتھ اس سخت گیرانہ معاملہ کرنے پر سرزنش کی اور طلبہ کے احترام اور ان کے ساتھ لطف سے پیش آنے کی ہدایت کی۔ اس طرح ایک فاضل باپ نے اپنے نوجوان فرزند کو ایک جلیل القدر مدرس بنانے کی تربیت دی۔

مولانا فضل امام کے توسط سے علامہ کا سلسلۂ معقولات، محقق دوانی اور میر سید شریف جرجانی سے ہوتا ہوا شیخ الرئیس اور معلم ثانی فارابی تک پہنچتا ہے۔ اور فارابی سے معلم اوّل ارسطا طالیس تک، اور شاہ عبدالقادر کے توسط سے جو

id.com

اپنے والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد تھے۔ امام بخاری تک اور ان سے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچتا ہے۔

تقریباً ۱۸ سال کی عمر میں ۱۵ - ۱۸۱۶ء میں، والد ماجد کے حکم سے، دہلی کی عدالت ضلع سے متعلق ہو گئے اور سررشتہ داری کے منصب پر متعین ہوئے کچھ عرصے بعد عدالت دیوانی میں سررشتہ داری کی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی۔ ان مناصب کے اعزاز اور اختیارات کی وجہ سے علامہ کو مصروف زیادہ رہنا پڑتا اور خالص علمی مشاغل کے لئے خاطر خواہ فراغت نہیں ملتی تھی اس لئے علامہ ناخوش و بیزار تھے مگر معلوم ہوتا ہے کہ والد ماجد کے اصرار سے مجبور تھے، چنانچہ ان کے وصال (۱۸۲۶ء) کے بعد جلد ہی علامہ نے اس منصب سے ترک تعلق کا فیصلہ فرما لیا جس کو دہلی میں بہت محسوس کیا گیا اور مرزا غالب نے کلکتے کے ایک اخبار "آئینہ سکندر" میں اشاعت کیلئے ایک مکتوب روانہ کیا جس میں اپنے اور اہل دہلی کے جذبات غم کا اظہار کیا تھا، بہادر شاہ نے بھی (جو اس وقت ولی عہد تھے) علامہ سے اپنی عقیدت اور دہلی کی سکونت ترک کرنے پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کیا، علامہ دہلی سے جھجر چلے گئے جہاں والیٔ جھجر نے پانچ سو روپے ماہانہ نذرانے پر آپ کو تشریف آوری کی دعوت دی تھی۔

جھجر کے بعد علامہ ریاست الور پھر سہارن پور پھر ٹونک میں رہے پھر آپ کو والیٔ رام پور نواب محمد سعید خاں نے رام پور بلا لیا، وہاں علامہ محکمۂ نظامت اور مرافعۂ عدالتین کے حاکم رہے اس کے علاوہ ولی عہد (بعد میں نواب یوسف علی خاں) بھی آپ کے زیر تعلیم تھے، فرزند گرامی علامہ عبدالحق بھی رام پور کے دوران قیام میں تعلیم سے فارغ ہوئے تھے۔ رام پور میں علامہ کا قیام ۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۸ء تک رہا۔ وہاں سے لکھنؤ بلا لئے گئے اور پہلے آپ کو مملکت اودھ کا سفیر بنا کر کلکتے بھیجا جا رہا تھا مگر پھر مرکز ہی میں صدر الصدور اور کچہری حضور تحصیل کے اہتمام کا منصب پیش کیا گیا۔ لکھنؤ میں علامہ کا قیام ۱۸۴۸ء سے ۱۸۵۶ء تک رہا، فروری ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ کے عزل اور الحاق اودھ کے بعد آپ بے تعلق ترک کر کے راجہ بنے سنگھ کی دعوت پر ریاست الور تشریف لے گئے،

© rasailojaraid

مئی ۱۸۵۷ء میں، جنگ آزادی کے آغاز پر دہلی تشریف لے آئے اور مجاہدین حریت کی قیادت فرمائی، جب ۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو دہلی پر انگریزوں کا غلبہ ہوگیا اور جنگ آزادی ناکام رہی تو ۲۴ ستمبر ۱۸۵۷ء کو علامہ دہلی سے اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور نومبر ۱۸۵۷ء میں خیرآباد پہنچ سکے، دہلی میں جنگ آزادی کا محاذ سرد ہوگیا تھا مگر اودھ میں ابھی معرکہ گرم تھا اور واجد علی شاہ کی بیگم (حضرت محل) اور شاہزادے (برجیس قدر) کی قیادت میں مجاہدین، سرگرم جہاد تھے، علامہ نے مارچ ۱۸۵۸ء میں اس محاذ میں شرکت کی اور دسمبر ۱۸۵۸ء تک ملکہ حضرت محل کے ساتھ فرنگی کی فوجوں سے معرکہ آرا رہے اور جب جنگ آزادی ناکامی پر منتج ہوکر ختم ہوگئی تو علامہ گھر آگئے اور دسمبر ۱۸۵۸ء میں گرفتار کرلئے گئے مقدمہ چلا اور "حبس دوام بعبور دریائے شور" کی سزا سنادی گئی۔

## مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا

۸ اکتوبر کو انڈمان کے ساحل پر اترے، ایک سال ۱۰ ماہ ایک جزیرے میں سخت مسار صحت ماحول میں، طرح طرح کے شدائد سہ کر یہ امام حکمت، قید ہستی سے رہا ہوا (۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۸ھ/۲۰ اگست ۱۸۶۱ء)

علامہ کا مزار انڈمان کے ایک جزیرے نمک بھٹہ (ساؤتھ پائنٹ) میں ہے جو جزیرہ Ross کے قریب ہے، مولوی لیاقت علی الہ آبادی کا مزار علامہ کے برابر ہے۔

علامہ نے دو شادیاں کی تھیں، پہلی اہلیہ سے علامہ عبدالحق خیرآبادی اور تین صاحب زادیاں ہوئیں۔ ایک صاحب زادی کا نام سعید النسا تھا اور حرماں تخلص کرتی تھیں ان کا عقد احمد حسین رسوا سے ہوا تھا اور بسمل خیرآبادی اور مضطر خیرآبادی انہی کے صاحب زادے تھے بسمل کئی سال غالب کے زیر تربیت بھی رہے تھے اور علامہ عبدالحق کے داماد بھی تھے، مضطر خیرآبادی کے صاحب زادے جاں نثار اختر مشہور شاعر تھے۔

علامہ نے عنفوان شباب سے اور تحصیل سے فراغت کے معاً بعد سے تدریس شروع کردی تھی (۱۸۱۰ء) اس لئے ۱۸۵۷ء تک مسلسل سینتالیس سال آپ نے درس دیا،

d.com

درس کا سلسلہ ہر حالت میں جاری رہا، اس لئے بکثرت طالبان علوم نے آپ سے فیض حاصل کیا اور آپ کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے، بعض کے اسماء گرامی یہ ہیں: علامہ عبدالحق خیرآبادی شمس العلماء، مولانا فیض الحسن سہارن پوری (استاد سرسید و شبلی)، مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی (استاد خواجہ حالی)، مولانا نورالحسن کاندھلوی (استاد سرسید)، مولانا محمد احسن گیلانی (جد مولانا مناظر احسن گیلانی)، مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری، مولانا عبداللہ واسطی بلگرامی، حکیم امام الدین دہلوی (طبیب اکبر شاہ ثانی (بہادر شاہ)، مولوی سراج الدین بجنوری ثم لکھنوی، مفتی سلطان حسن بریلوی، مولوی لطف علی راج گیری (بہاری)، مولوی محمد محسن بن یحییٰ ترہتی (صاحب الیانع الجنی)، مولانا شیخ محمد تھانوی، حکیم نورالحسن امروہوی، مولوی جمیل احمد صدیقی بلگرامی، مولوی عبدالعلی خاں رام پوری، مولوی ہدایت علی بریلوی، مولوی عبدالعزیز سنبھلی، مولوی حکیم فیاض خاں، مولوی موسیٰ خاں ملا نواب، مولوی حکیم سید محمد حسن امروہوی، مولوی داداربخش، مولوی سید باد علی سہسوانی، نواب یوسف علی خاں والئ رام پور، نواب کلب علی خاں والئ رام پور، مولوی نور احمد بدایونی، مولوی حکیم میر سید دائم علی عظیم آبادی ثم ٹونکی۔

علامہ کی تصانیف و تالیفات حسب ذیل ہیں۔

(۱) حاشیۂ الافق المبین
(۲) حاشیہ تلخیص الشفاء
(۳) حاشیۂ شرح سلم العلوم از قاضی مبارک گوپاموی
(۴) الہدیۃ السعیدیہ فی الحکمۃ الطبیعیہ
(۵) الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود
(۶) تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی
(۷) امتناع النظیر
(۸) الجنس العالی فی شرح الجواہر الغالی
(۹) رسالہ فی تشکیک الماہیات
(۱۰) رسالہ فی الکلی الطبعی

© rasailojaraid.com

(۱۱)۔ رسالۃ فی العلم والمعلوم
(۱۲)۔ رسالۃ فی قاطیغوریاس (المقولات العشر)
(۱۳)۔ رسالۃ فی تحقیق حقیقۃ الاجسام
(۱۴)۔ رسالۃ احوال غدر (الثورۃ الہندیہ)
(۱۵)۔ قصائد فتنۃ الہند
(۱۶)۔ مجموعۂ قصائد
(۱۷)۔ اعتراضات بر رسالۂ تقویت ایمان
(۱۸)۔ شرح تہذیب الکلام ۔

# علوم

علامہ کی تصانیف وتالیفات، منطق، طبیعیات امور عامۂ والہیات اور کلام وعقائد پر حاوی ہیں ۔

منطق میں فن کے مسائلِ مہمہ ومختلف فیہا پر محققانہ مگر مختصر رسائل کے علاوہ حاشیۂ قاضی آپ کی مبسوط تالیف ہے جو مُلا محب اللہ بہاری کی کتاب سلم العلوم کی شرح از قاضی مبارک کا حاشیہ ہے، کتابوں کا تحشیہ اس دور کے اسالیب ابلاغ میں سے تھا ۔ اور تحشیے میں متن کی صرف تشریح وتفسیر، رفع اشکالات، تفصیل اجمال، توضیح مبہم ہی مقصود نہیں ہوتا تھا بلکہ محشی موقع موقع ماتن سے اختلاف اور اس کے اقوال کی تردید وتصحیح بھی کرتا تھا، مصنفین سلف کے اقوال وبیانات سے اعتنا بھی کرتا تھا اور اپنے نظام فکر کو بھی پیش کرتا تھا اور کسی متن کو سامنے رکھ کر اپنے افکار ونظریات ومختارات بھی پیش کرتا تھا ۔ عہد ماضی کے شروح وحواشی کا جائزہ لیا جائے تو نوعیت کے لحاظ سے سب شروح وحواشی کی نوعیت متن کی تسہیل وتفہیم وتوضیح کی نہیں ہوتی تھی، مولانا عبدالحق خیرآبادی کی شرح مرقاۃ المنطق، اس قسم کی شرح ہے، جو منطق کے مبتدی اور مرقات خواں طلبہ کے لئے نہیں بلکہ منتہی طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے اور فن کے تمام تر مختلف فیہ مسائل پر اظہار خیال کے لئے اس متن کو اساس بنالیا گیا ہے مختصر یہ کہ حاشیۂ قاضی بھی قاضی مبارک شرح سلم کا صرف حاشیہ نہیں ہے بلکہ مسائل

منطقیہ کی ایک ان ئیکلو پیڈیا ہے اور منطق میں ان کے والد ماجد مولانا فضل امام نے جس اجتہادی روشے کا آغاز کیا تھا (ملاحظہ ہو بحث مواد افیہ) اس کا نقطۂ عروج حاشیۂ قاضی میں ملتا ہے اور علامہ اس میں میر باقر داماد، محقق دوانی، ابن سینا، فارابی وغیرہ ائمۂ فن سے متعدد مقامات پر سخت آراء اور مصروف اختلاف اور ان کے اقاویل کی تردید و تغلیط کرتے نظر آتے ہیں، ایک مقام پر تو ابن سینا کو جسے المعلم الثالث کا مقام دیا گیا ہے، اس کے اتباع کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں "وقول الشیخ (ابن سینا) لیس حجۃ علینا انا لسنا نؤمن بالتاویلہ حقہ کانت او باللہ - انما نؤمن بما ھو الحق وبالاتباع حق" (حاشیہ قاضی) حاشیہ قاضی میں صرف مسائل منطقیہ ہی نہیں بلکہ متعدد فلسفیانہ و کلامی مباحث بھی آگئے ہیں اور علامہ نے ان میں مناطقہ قدیم کے افکار کا رد بلیغ کر کے اپنا مسلک بیان کیا اور اس کو ثابت کیا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ اب منطق کا فن ایک لادین (سیکولر) فن نہیں رہا اس کو مسلمان کیا جا رہا ہے اور دین کے دفاع کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

طبیعیات میں علامہ کی کتاب الہدیۃ السعیدیہ ہے، یہ طبیعات کے تینوں فنون مالعیم الاجسام، فلکیات اور عنصریات پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے میں پہلے ایک وضاحت ضروری ہے یہ کتاب علامہ نے فلسفے کے طلبہ کے لئے ایک بنیادی اور ابتدائی کتاب کے طور پر ایک متن کی صورت میں تحریر فرمائی تھی، مسلمانوں کا فلسفے سے اشتغال مقصود بالذات نہیں تھا، اس کے رد کے لئے تھا، وہ فلسفہ اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ فلاسفہ کے نظریات کو قبول کر لیں بلکہ اس لئے پڑھتے تھے کہ دیکھیں فلاسفہ کیا کہتے ہیں تاکہ اس کا رد کیا جا سکے، مسلمانوں نے خود فلسفے میں جو کتابیں لکھیں ان میں سے بعض کی نوعیت "بیان مسلک" کی تھی یعنی فلاسفہ کی ترجمانی ان کتابوں میں کی گئی تھی الہدیۃ السعیدیہ بھی اس قسم کی کتاب ہے جس میں فلاسفہ کے افکار و نظریات بیان کیے گئے اور ان کے دلائل نقل کیے گئے ہیں بلکہ بعض بعض مقامات پر ان کی وکالت تک کی گئی ہے تاکہ تبیین مسلک کا حق ادا ہو جائے، اس کے بعد ان کے ہفوات و خرافات کے رد و ابطال کا مرحلہ آتا ہے اور یہی متکلمین کا مقصود ہے چنانچہ اس کے لئے مستقل تالیفات ہیں۔

طبیعیات کے مبادی میں سے اجسام کے مباحث ہیں کیونکہ طبیعیات کا موضوع جسم طبیعی

© rasailojaraid.com

ہے، اس کے طبعیات کے اصل مباحث (جسم طبیعی کے عوارض (حرکت، سکون، مکان، خلا، زمان وغیرہ) سے پہلے فن کے مبادی کے طور پر جسم طبیعی ذاتیہ کی تحقیق حقیقت، اس کا ترکیب، اس کے اجزا، ہیولیٰ وصورت ان دونوں کے درمیان تلازمہ کا بیان ہوتا ہے - اور یہ دراصل الٰہیات کے مباحث ہیں اور زیادہ تر انہی میں حکمائے اسلام کو فلاسفہ یونان اور ان کے اتباع سے اختلافات ہیں اس لئے اس میں علامہ نے اپنا مسلک، اپنی تحقیقات اور اپنے مختارات ایک مستقل تصنیف، رسالہ حقیقت الاجسام میں بیان کیا ہے، فلاسفۂ مشائیہ اور ان کے اتباع جواہر ذرہ سے جسم طبیعی کے ترکیب کے قائل نہیں ہیں اور ہیولیٰ اور صورت سے قسم کے ترکیب کے مدعی ہیں - علامہ نے ان کا بھی رد کیا، ہیولیٰ اور صورت کے تلازم کے بھی وہ مدعی ہیں، علامہ نے اس مسلک کا بھی ابطال کیا ہے اور دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کے درمیان تلازم نہیں ہے - مبادی کے علاوہ مایعم الاجسام کے اصل مباحث (عوارض ذاتیہ جسم طبیعی) حرکت، سکون، مکان، زمان میں بھی مشائیہ سے متکلمین کے اختلافات ہیں اور علامہ نے ایک متکلم عصر کی حیثیت سے ان کے ابطال کا حق ادا کیا ہے۔

فلکیات میں بھی، افلاک کی تعداد، افلاک کے قبول خرق والتیام، قبول کون وفساد جیسے نظریات، متکلمین کے لئے قابل قبول وتسلیم نہیں ہیں۔

علم الٰہی (الامور العامہ اور الٰہیات) کے فنون میں علامہ کی تالیفات، حاشیہ تلخیص الشفاء، حاشیۃ الافق المبین، الروض المجود، تحقیق کلی طبیعی اور علم ومعلوم ہیں، امور عامہ کا اولین اور اہم مسئلہ وجود ہے اس پر علامہ کا ایک مستقل رسالہ الروض المجود ہے اس میں حقیقت وجود، وجود واجب، توحید وجودی وغیرہ مباحث پر علامہ نے جو کلام کیا ہے وہ ایک طرف ابلاغ وانشا کا اعجاز ہے، دوسری طرف ایمان افروز اور بصیرت افزا ہے، اس میں بھی علامہ نے وجود کے مختلف پہلوؤں کے سلسلے میں فلاسفہ، متکلمین، صوفیا کے اقوال سے اعتنا کیا ہے اور اپنے مسلک کے اثبات کے لئے جو عقلی ونقلی دلائل دیے ہیں وہ انہی کا حصہ ہیں۔

الٰہیات پر اپنی تالیفات میں قدم قدم پر فلاسفہ کے مسلمات اور اصول موضوعہ تک تک نقد وجرح کی ہے، مثلاً الواحد لایصدر عنہ الا الواحد کو فلاسفہ علوم و

d.com

متعارفہ اور مسلمات میں شمار کرتے اور اپنے بہت سے دعاوی کی بنا اسی پر رکھتے ہیں۔ حال آں کہ یہ نہ مسلمات میں سے ہے نہ اِس پر بنا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے۔ اپنے اِس اصول کی بنا پر ان کا یہ دعویٰ ہے کہ فلاں عالم نے صرف عقل اوّل کو پیدا کیا ہے اِس سے عقل ثانی اسی طرح عقول عشرہ تک سلسلہ چلا، علاّمہ نے ان کے اسی مسلّمہ پر اپنی تنقید کا نشتر چلایا اور فرمایا کہ ہم اِس کو تسلیم نہیں کرتے کہ واحد سے صرف واحد ہی صادر ہو سکتا ہے۔

## مسئلہ امتناعِ نظیر

علاّمہ کا ایک عظیم کارنامہ "مسئلہ امتناع النظیر" سے ان کا اعتنا ہے۔ تقریباً ۱۸۱۹ء میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے پوتے اور ایک نامور فاضل شاہ اسمٰعیل دہلوی نے بدعات و محدثات کے رد اور اصلاح عقائد کے جذبے سے ایک رسالہ "تقویت الایمان" کے نام سے لکھا اور شائع کیا۔ یہ رسالہ ایک حد تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کی اردو ترجمانی تھی۔ (جزوی اختلافات کے ساتھ) اِس رسالے میں شاہ صاحب نے جوش اصلاح میں جیسا خود انہوں نے اعتراف کیا تھا کہ "بعض جگہ ذرا تیز الفاظ آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے۔ مثلاً ان امور کو جو شرکِ خفی ہیں شرک جلی لکھ دیا گیا ہے" (ص ۳۵۴ سیرت سید احمد شہید از مولانا ابوالحسن علی ندوی)

اسی رسالے میں شاہ صاحب یہ لکھ گئے

"اِس شہنشاہ (باری تعالیٰ) کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی و جن فرشتے، جبرئیل اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے برابر پیدا کر ڈالے۔"

اِس پر علاّمہ نے ایک رسالہ "تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان" لکھ کر اس پر تعاقب کیا۔ شاہ صاحب نے اس کے جواب میں ایک رسالہ (یک روزی) لکھا۔ پھر علاّمہ نے ایک "استفتا" کے جواب میں ایک کتاب (تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ) تحریر فرمائی جس میں اِس مسئلے (امکان و امتناعِ نظیر) کے علاوہ مسئلہ شفاعت پر بھی دادِ تحقیق دی، اس کے ایک عرصے بعد (۱۲۴۰ھ/ ———) مولوی حیدر علی رامپوری نے اِس موضوع پر قلم اٹھایا جس کا لب ولہجہ اور زبان اب تک کی فریقین کی تحریروں کے

© rasailojaraid.com

برعکس عالمانہ اور شائستہ نہیں تھی۔ علّامہ نے اس کے جواب میں امتناعِ نظیر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

علّامہ کی فراستِ دینی خداداد تھی۔ آپ کی مندرجہ بالا تحریروں کی نوعیت صرف ایک کتاب پر تنقید اور ایک مصنّف کی کسی علمی لغزش و خطا پر تعاقب کی نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑے دینی فتنے (انکارِ ختمِ نبوت) کی طرف اس کے آغاز ہی میں التفات فرما کر ملّت کو متنبّہ فرما دیا تھا مگر افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی حمایت میں چند علماء میدان میں آ گئے اور اس ایک مسئلے میں کئی مباحث پیدا کر دیئے جن کے نتیجے میں انکارِ ختمِ نبوت کی راہ ہموار ہوئی اور بالآخر ایک متنبّی کا ظہور ہوا جس کی امّت تقریباً ایک صدی سے اُمّتِ مُسلمہ کے لیے دردِ سر بلکہ دردِ جگر بنی ہوئی ہے۔

علّامہ کی یہ تحریریں کلامی ادبیات کا شاہکار ہیں، علمِ کلام کی ایک قسم وہ ہے جس کا موضوع فلسفہ اور اس کے پیدا کردہ شبہات کا رد اور ازالہ ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کا موضوع مسلمانوں کے کج راہ فرقوں اور مکاتیبِ فکر (اعتزال، خروج، ارجاء، ناصبیت، رفض وغیرہ) کے عقائدِ حقّہ اہلِ سنّت والجماعت سے متصادم افکار و نظریات کا ردّ و ابطال ہے۔ علّامہ کی تقریر، اعتراضات، "تحقیق الفتویٰ" اور "امتناعِ نظیر" اِس دوسری قسم کے علمِ کلام میں ان کے بلوغ و کمال کا مظہر ہیں۔

شاہ صاحب کے اس قول کے متعلق علّامہ نے لکھا کہ یہ جمہور مسلمین کے متفقہ عقائد کے خلاف ہے اس لیے مثلِ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم ممتنع الوجود ہے، علّامہ نے استدلال اِس طرح فرمایا کہ اگر آں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا مثل ممتنع نہیں ہو گا تو ممکن ہو گا اور وہ مثل لامحالہ نبی ہو گا کیونکہ غیر نبی، نبی کا مثل نہیں ہو سکتا اور آپ صرف نبی ہی نہیں خاتم الانبیاء بھی ہیں اور مرتبۂ خاتمیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے مثل کے وجود کا امکان نہ ہو اِس لیے کہ نبوّت اقصیٰ مراتب کمالاتِ انسانیت ہے اور یہ مرتبہ اس مرتبے تک متکامل ہوتا ہے جو اقویٰ مراتب پر مشتمل ہے۔ اور اس سے زیادہ اقویٰ چیز امکان میں متصوّر نہیں ہے اور اس سے بالاتر مرتبہ ممکن نہیں ہو سکتا اور یہی اقویٰ مرتبہ وجودِ خاتم الانبیاء ہے، نبوّت اس مرتبے پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔

مثلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ممتنع الوجود ہے اور جو چیز ممتنع الوجود ہو وہ مقدور حق سبحانہ نہیں ہے، کیوں کہ قدرت عبارت ہے، صحت فعل ترک فعل سے، یا اس صفت سے جو وفق ارادہ پر مؤثر ہو اور قدرت صرف ممکن پر ہوتی ہے، واجب اور مستحیل اور ممتنع پر نہیں ہوتی ——— ممتنع پر عدم قدرت سے عجز لازم نہیں آتا کیوں کہ ممتنع قابلیت وجود ہی نہیں رکھتا، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں بھی "شئے" سے مراد ممکن ہے اس لیے کہ ممتنع وعمحال بالاتفاق "شئے" نہیں کہلاتا۔

ایک اور عنوان سے استدلال فرمایا۔ مماثل خاتم الانبیا اگر ممکن ہو تو ضروری ہے کہ اس کا وقوع مستلزم محال نہ ہو کیوں کہ وقوع ممکن سے محال ناشی نہیں ہوتا۔ اور یہاں محال ناشی ہو رہا ہے۔ کیوں کہ آیہ کریمہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ الخ کا کذب لازم آتا ہے۔ اس لیے کہ آیہ کریمہ مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود فعلی کے امتناع پر صراحتاً دلالت کرتی ہے اور تجویز کذب حق اللہ تعالےٰ محال ہے اس لیے کہ یہ ایک نقص ہے اور نقص علی اللہ تعالیٰ محال ہے۔

نظیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتناع ذاتی پر ایسے ایسے بہت سے دلائل علامہ نے پیش کیے۔ پھر شاہ صاحب نے جو جوابات ان کے دیئے اُن کا رد کیا۔ کئی سال بعد جب شاہ صاحب کے دفاع میں کچھ اور علماء بھی میدان میں آئے اور انہوں نے دفاع کا جو اسلوب اختیار کیا، اس نے مسئلے کے بعض نئے پہلو پیدا کر دیئے۔ ضرورتاً ہم اختصار کے ساتھ اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔ علامہ نے تحریر فرمایا تھا کہ فرض کرو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نظیر ممتنع نہیں اور یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص جمیع کمالات میں آپؐ کے ہم پایہ و مساوی ہے تو دو حال سے خالی نہیں ہے۔ یا وہ شخص خاتم الانبیاء ہوگا یا خاتم الانبیاء نہیں ہوگا۔ دونوں صورتوں میں آں حضرتؐ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ شخص خاتم الانبیاء ہوگا تو پھر آں حضرتؐ خاتم الانبیاء نہیں ہوں گے (العیاذ باللہ) اس طور پر اس شخص میں ایسا کمال ہوا جو آں حضرت میں نہیں ہے، یہ کمال ختم الانبیاء ہے۔ تو آں حضرتؐ

© rasailojaraid.com

اس شخص کے برابر نہیں ہوئے۔ اور اگر وہ شخص خاتم الانبیاء نہیں ہے جبکہ آں حضرتؐ بلاشبہ خاتم الانبیاء ہیں۔ اس طرح آں حضرتؐ میں ایک ایسا کمال ہوا جو اس شخص میں اس تقدیر پر نہیں ہے تو وہ شخص آں حضرتؐ کے برابر نہیں ہوا۔ بہر تقدیر عدم تساوی لازم آتا ہے۔ (امتناع النظیر ص ۱۳)

اس پر مولوی حیدر علی رامپوری نے جو گویا حضور اکرمؐ کی خاتمیت کو مجروح کرنے پر تلے ہوئے تھے، یہ نظریہ پیش کیا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ آں حضورؐ صرف ان ہمارے ارض و سما کے خاتم النبیین ہوں اور وہ مفروض دوسرے ارض و سما اور دوسری دنیا کا خاتم النبیین ہو (امتناع النظیر ص ۱۵۶) اس بنا پر ان کی حمایت میں ایک عالم آگے بڑھے اور انہوں نے "خواتم سبعہ" کا نظریہ پیش کیا اور حضرت ابن عباس رضؓ کے ایک اثر سے جو در منثور میں ہے یہ پہلو نکالا کہ سات زمینوں کے لیے سات عدد خاتم الانبیاء ہو سکتے ہیں۔ اثر یہ ہے انّ اللّٰہ خلق سبع ارضین فی کلّ ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم و ابراھیم کابراھیمکم وموسیٰ کموسٰکم وعیسیٰ کعیسٰکم ونبیٌ کنبیکم اس اثر سے استناد کر کے حضور اکرمؐ کے چھ مثل زمین کے چھ طبقات میں فرض کر لیے گئے اور صرف ایک جملے کے دفاع میں بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا۔

اس نئی "تحقیق" سے استفادہ کر کے غالب نے ایک اور نکتہ پیدا کیا۔ اس نے اپنی ایک مثنوی میں اس موضوع پر جو چند اشعار کہے ہیں، ان میں بقول حالیؔ صاف صاف یہ تو نہیں لکھا کہ خدا خاتم النبیین کا مثل پیدا کرنے پر قادر ہے مگر اس مضمون کو اس پیرائے میں ظاہر کیا تھا کہ اس موجودہ عالم میں تو ایک خاتم کے سوا دوسرا خاتم پیدا نہیں ہو سکتا لیکن خدا قادر ہے کہ ایسا ہی ایک اور عالم پیدا کر دے اور اس میں خاتم النبیین کا مثل جو اس دوسرے عالم میں خاتم النبیین ہو خلق فرمائے" اور اس کی وجہ اس کا مسلک تھا۔ غالب نے اپنے مقتدا مولانا سید محمد مجتہد العصر کو خط لکھ کر استصواب کیا تھا، مولانا کی طرف سے اسے جو جواب ملا تھا، اس میں علامہ کے مسلک کے برعکس مسلک بیان کیا گیا تھا" ایجاد مثل جناب رسالت مآبؐ فی نفسہ ممتنع ذاتی نیست"، (ممتنع بالغیر ہست) چنانچہ علامہ بقول حالی

"اس پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا یہ تم نے کیا کہا ہے کہ متعدد عالموں میں متعدد خاتم ہو سکتے ہیں، نہیں بلکہ ایک لاکھ عالم خدا پیدا کرد ے تو بھی خاتم النبیین ایک ہی ہوگا" چنانچہ اس کے بعد غالب نے چند ایسے اشعار کا اضافہ کیا جو ان کے اپنے اور اپنے فرقے کے عقائد کا نہیں بلکہ علامہ کے عقیدے کا اظہار تھا۔ غالب کی یہ مثنوی ایک سو اٹھائیس اشعار پر مشتمل ہے۔ ختم نبوت سے متعلق اشعار حسب ذیل ہیں :۔

یک جہاں تا ہست یک خاتم بس است　　قدرت حق را نہ، یک عالم بس است
خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے　　ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود　　رحمتہ للعالمینے ہم بود!
در یکے عالم دو تا خاتم مجو　　صد ہزاراں عالم و خاتم بگو

پھر علامہ نے اظہار ناخوشی فرمایا تو ان اشعار کا اضافہ کر دیا۔

ایں الف لامے کہ استغراق راست　　حکم ناطق معنیٔ اطلاق راست!
علت ایجاد ہر عالم یکے ست　　گر دو صد عالم بود خاتم یکے ست
جوہر کل بر نتابد تثنیہ　　در محمدؐ رہ نیابد تثنیہ
تا تو رزی اندر امکاں ریو و رنگ　　حیز امکاں بود بر مثل تنگ
صانع عالم چنیں کرد اختیار　　کس بعالم مثل بنود زینہار
ہم گہر مہر منیرش چوں بود　　سایہ چوں بنود نظیرش چوں بود
منفرد اندر کمال ذاتیست　　لاجرم مثلش محال ذاتی ست

## امکانِ کذب

اپنے قول کی صحت پر بہر حال اصرار کیے جانے کا ایک اور افسوسناک نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ صاحب اور ان کے اتباع امکان کذب باری تعالے کے قول تک آ گئے۔ علامہ نے نظیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتناع ذاتی پر استدلال میں لکھا تھا کہ "اللہ تعالے نے فرمایا ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ اب اگر خاتم النبیین کا مثل ممکن ہو تو لازم ہے کہ اس کا وقوع مستلزم محال نہ ہو، کیوں کہ وقوع ممکن سے محال ناشی نہیں

© rasailojaraid.com

ہوئی تو وقوع مثل خاتم النبیین سے آیتِ کریمہ کے منطوق کا کذب لازم آتا ہے کیونکہ یہ آیت مثل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتناعِ وجودِ فعلی پر صریح دال ہے اور یہ گویا کذب باری تعالیٰ کو جائز قرار دینا ہے جو محال ہے اِس لیے کہ یہ نقص ہے اور نقص علی اللہ محال ہے۔"

اِس کے جواب میں شاہ صاحب نے لکھا کہ باری تعالیٰ سبحانہٗ کا کذب اور اتصاف بصفات نقصان ممتنع ذاتی نہیں ہے کیوں کہ کوئی غیر مطابق واقعہ قضیہ بنانا اور انبیاء و ملائکہ پر اس کا القا قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں ہے ورنہ لازم ہوگا کہ قدرتِ الٰہیہ سے قدرتِ انسانی زائد ہو کیونکہ یہ بات اکثر افرادِ انسانی کی قدرت میں ہے، ہاں یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے منافی ہے اس لیے کذب باری تعالیٰ ممتنع بالذات نہیں ممتنع بالغیر ہے۔ مختصر یہ ہے کہ وہ باری تعالیٰ کے کذب کے امکان کے قائل تھے۔

علماء نے اِس کے جواب میں لکھا کہ قائل کو جب یہ اعتراف ہے کہ کذب صفات نقصان میں سے ہے تو پھر وہ باری تعالیٰ کے کذب کے ساتھ امکان اتصاف کے کیسے قائل ہے؟ پھر فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ کذب نام ہے عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقعہ اور مخاطب پر اس کے علی الاطلاق القا کا، بلکہ کذب نام ہے قضیہ غیر مطابق للواقعہ اِخبار کا، ورنہ یوں تو کلام مجید میں کئی مواقع پر حکایۃً قضایا کا ذکر آیا ہے۔ اور قائل نے یہ کہا ہے کہ "ورنہ لازم ہوگا کہ قدرت الٰہیہ سے قدرت انسانی زائد ہو"، تو یہ تعجب خیز ہے کیوں کہ ارتکابِ فواحش و قبائح قدرتِ انسانی کے تحت داخل ہے، حالانکہ ان کا باری تعالیٰ سبحانہٗ کے ساتھ اتصاف، عقلاً، سمعاً، ضرورۃً و شرعاً ہر لحاظ سے ممتنعات ذاتیہ اور محالات عقلیہ میں سے ہے، قدرتِ الٰہیہ کے تحت داخل نہیں ہے، اس طرح (آپ کے زعم کے مطابق) تو قدرتِ انسانی، قدرتِ ربانی سے زائد ہوئی، العیاذ باللہ۔ رہی یہ بات کہ عیوب و نقائص پر قدرت اتصاف خود عیب و نقص ہے اور سبحانہٗ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے منزہ ہے۔ قدرت مطلق کی دو قسمیں ہیں (۱) قدرت کاملہ (۲) قدرت ناقصہ، قدرت کاملہ حضرت باری کے اوصاف مختصہ میں سے ہے اور قدرت ناقصہ مخلوقات کے اوصاف میں سے ہے جو قدرت کاملہ سے بے شمار درجے ناقص ہے، اِس لیے قدرتِ ناقصہ کے انسان میں وجود اور ذات باری تعالیٰ میں اس

.com

کے عدمِ امکان سے، قدرتِ کاملۂ ربّانی پر قدرتِ ناقصۂ انسانی کی زیادت لازم نہیں آتی کیونکہ کسی شے پر کسی شے کی زیادت اس کو کہہ سکتے ہیں کہ شئے اوّل، شئے ثانی پر اور اس سے سوا کچھ اور پر بھی مشتمل ہو، اب پہلے تو قائل ثابت کرے کہ قدرتِ انسانی قدرتِ ربّانی پر بھی مشتمل ہے۔ پھر اس کا قدرتِ ربّانی سے کچھ زیادہ پر بھی مشتمل ہونا ثابت کرے پھر کہہ سکتا ہے کہ قدرتِ انسانی کی قدرتِ ربّانی پر زیادت لازم آتی ہے۔

## شفاعت

شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں شفاعت کے بیان میں تین قسم کی شفاعتوں کا ذکر کیا ہے۔ شفاعت وجاہت، شفاعت محبت، شفاعت بالاذن، ان میں پہلی قسم کی شفاعت کی تمثیلاً وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مثلاً کسی بادشاہ کے سامنے کسی چور کی کوئی ایسا امیر دربار سفارش کرے جس کی سفارش مسترد کر دینے میں اس امیر کی ناخوشی اور سلطنت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، علامہ نے عقلی دلیل سے ثابت کیا کہ ایسے امیر کی سفارش قبول کرنے میں ناخوشی و نقصان کے خطرے کی شرط نہیں ہے۔ پھر نقل سے اثبات مدعی کے لیے آیہ مبارکہ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ پیش کی اور بیضاوی کا قول نقل کیا کہ وجاہت سے مراد دنیا میں نبوت اور آخرت میں شفاعت ہے۔

دوسری قسم کی شفاعت (محبت) کی تشریح اس طرح کی گئی کہ بادشاہ کا کوئی عزیز و محبوب کسی مجرم کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس کے آزردہ و کبیدہ خاطر ہو جانے کے خطرے سے اس کی سفارش قبول کر لیتا ہے، ایسی شفاعت بھی جناب باری میں ممکن نہیں۔ علامہ نے اس کو بھی رد کر دینے کے ساتھ احادیث سے بھی استناد کیا کم اشعث ذی طمرین لا یؤبہ لہ لو اقسم علی اللہ لابرہ اور یہ حدیث قدسی بھی فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی ینطق بہ۔

تیسری قسم کی سفارش (بالاذن) کے شاہ صاحب قائل ہیں یعنی بادشاہ کی مرضی اور اجازت سے کوئی شخص سفارش کرے۔ کیونکہ بادشاہ خود اس مجرم کا جرم معاف کر دینا چاہتا ہے۔ علامہ نے اس سے اتفاق نہیں فرمایا۔ انہوں نے لکھا کہ اگر مجرم ایسا سمجھتا ہے کہ بادشاہ تو خود ہی معاف کر دینا چاہتا تھا تو یہ نعمت شفاعت کا کفران ہے۔

© rasailojaraid.com

پھر علامہ نے تفصیل سے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ پہلی قسم کی شفاعت کو شفاعت بالوجاہت کہنا شفاعت اور وجاہت دونوں سے لاعلمی کا ثبوت ہے۔ اِس طرح علامہ نے شفاعت محبت کی اِس تشریح سے بھی جو شاہ صاحب نے کی ہے دلائل کے ساتھ اختلاف کیا ہے۔ اِس کے بعد فرمایا ہے کہ دراصل شفاعت وجاہت اور شفاعت محبت دونوں شفاعت بالاذن کی قسمیں ہیں اور ان کا قبول کیا جانا کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت فرمایا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ تمام فرق اسلامیہ کا شفاعت پر اتفاق ہے اور گناہوں کی سزا سے نجات کے لیے اور ترقیٔ درجات کے لیے شفاعت کو سبب مانتے ہیں، صرف معتزلہ کو گناہوں کی سزا سے نجات کا سبب ماننے سے انکار ہے وہ شفاعت کو صرف ترقیٔ درجات کا سبب مانتے ہیں، مگر صاحب تقویت الایمان تمام اہلِ اسلام کے برخلاف شفاعت کو بے دخل و بے کار سمجھتے ہیں اور زبان سے بظاہر شفاعت اللہ تعالےٰ کے رحم اور عفو کے بعد ہونے کے قائل ہیں اور دراصل ان کے نزدیک شفاعت متحقق ہی نہیں ہے

## ادب عربی

شمس العلماء مولانا فیض الحسن سہارن پوری، جو علامہ کے تلمیذِ سعید تھے اور عربی ادب کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، مولانا شبلی نے ادب عربی کی تحصیل مولانا فیض الحسن ہی سے کی تھی، سرسید احمد خاں نے مولانا سے استفادہ کیا تھا۔ مولانا نے ایک طویل فارسی مثنوی لکھی "روضۂ فیض" اس کی ابتداء میں اپنے استاد علامہ کی شان میں ۵۴ مدحیہ اشعار کہے ہیں۔ علامہ کے عربی ادب پر عبور کے متعلق لکھتے ہیں:

ہندیئے در گردش علم و ادب — ادب آموز ادیبان عرب
قدر ارباب ادب بشکستہ — زور بازار عرب بشکستہ
شعر او رو کش شعر انعال — چہ قصیدہ چہ رباعی چہ غزل
مستفید از سخنش کعب و جریر — تا بنثرش نرسد نثر حریر
ہر کجا بہر رقم برخیزد — شور در ملک عدم برخیزد
بر فصاحت بملاحت دم ساز — ہم حلاوت بملاحت ہم راز

مولانا غوث علی شاہ صاحب جو علامہ کے والد اور مولانا فضل امام کے شاگرد اور علامہ

کے بے تکلف دوست تھے۔ لکھتے ہیں :

"ایک بار علامہ نے عربی کے شاعر اعظم امراء القیس کے قصیدے پر قصیدہ کہا تھا اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو سنا رہے تھے، شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا (غالباً فرمایا ہوگا کہ یہ عربی محاورے کے خلاف ہے) علامہ نے جواب میں متقدمین کے اشعار سنانا شروع کیے، جب بیس شعر سنا چکے تو والد (فضل امام) نے فرمایا" بس حد ادب" علامہ نے ادب سے عرض کی، حضرت یہ کوئی فن حدیث و تفسیر تو ہے، فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے؟" شاہ صاحب نے فرمایا" برخوردار! تو سچ کہتا ہے"

## حسنِ تربیت

مولانا غوث علی شاہ نے اپنے سفر رام پور اور وہاں علامہ سے ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ جب ہم رام پور پہنچے تو سرائے میں ٹھہرے، اتفاقاً مولوی فضل حق صاحب سے ملاقات ہوگئی۔ نہایت محبت عنایت سے پیش آئے اور اپنے نوکر سے کہا جاؤ آپ کا اسباب اٹھا لاؤ۔ میں نے کہا حضرت برائے خدا مجھے وہیں رہنے دیجئے کہ بہت آرام سے ہوں۔ کہا اچھا آپ جہاں رہیں خوش رہیں، لیکن بھٹیاری کو کہلا بھیجا کہ ان کے خرچ کا حساب ہمارے ذمے ہے اگر پانچ روپے روز بھی اٹھیں تو مضائقہ نہیں ہم دیں گے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ میاں صاحب بلا اجازت ہمارے کہیں نہ چلے جائیں۔ ایک روز پچھلی باتوں کا ذکر آگیا۔ اپنے والد کو یاد کر کے روتے رہے۔ ہم نے کہا" مولوی صاحب آپ کو وہ دن بھی یاد ہے کہ مولوی (فضل امام) صاحب نے تھپڑ مارا تھا اور دستار فضیلت دور جا پڑی تھی۔" ہنسنے لگے اور فرمایا کہ ہاں خوب یاد ہے۔ وہ عجب زمانہ تھا" اور وہ قصہ اس طرح تھا کہ (علامہ کے عنفوان شباب میں) مولوی فضل امام صاحب نے ایک طالب علم سے فرمایا کہ جاؤ فضل حق سے سبق پڑھ لو۔ وہ آیا، غریب آدمی، بدصورت، عمر زیادہ، علم کم، ذہن کند اور یہ نازک طبع، ناز پروردہ، جمال صورت سے آراستہ، چودہ برس کا سن و سال، نئی فضیلت، ذہن میں جودت، بھلا میل ملے تو کیسے ملے اور صحبت راس آئے تو کیوں کر۔ تھوڑا سبق پڑھایا تھا کہ بگڑ گئے جھٹ اس کی کتاب پھینک دی اور برا بھلا کہہ کر نکال دیا۔ وہ روتا ہوا مولانا (فضل امام)

© rasailojaraid.com

صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا حال بیان کیا۔ فرمایا کہ بلاؤ اس خبیث کو، مولوی فضل حق صاحب آئے اور دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا صاحب نے ایک تھپڑ دیا اتنے زور سے کہ دستارِ فضیلت دور جا پڑی اور فرمانے لگے "تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا۔ ناز و نعم میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطرداری سے پڑھا دیا، طالب علموں کی قدر و منزلت تو کیا جانے، اگر مسافرت کرتا، بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔ ارے طالب علمی کی قدر ہم سے پوچھ،

درازیٔ شب از مژگان من پرس — کہ یک دم خواب در چشمم نگشت است

خیر تم جانوگے اگر آئندہ طالب علموں کو کچھ کہا" یہ چپ کھڑے روتے رہے۔ کچھ دم نہ مارا۔ خیر قصہ رفع دفع ہوا لیکن پھر کسی طالب علم کو کچھ نہ کہا۔ (ص ۱۴۶ تذکرہ غوثیہ)

## حاضر دماغی

مولوی رحمان علی صاحب، تذکرہ علمائے ہند نے، ۱۸۴۸ء میں علامہ کو لکھنؤ میں دیکھا تھا، لکھتے ہیں:

"بسال دواز دہ صد و شصت و چہار (۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء) مولف ہیچ مدان بمقام لکھنؤ بخدمتش رسیدہ دید کہ در عین حقہ کشی و شطرنج بازی تلمیذے را سبق افق المبین می داد و مطالب کتاب را بہ متعلم باحسن بیان دل نشیں می نمود" (۱۶۴-۱۶۵)

۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں کتاب کا ہیچ میداں دولت ان کی خدمت میں لکھنؤ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حقہ پی رہے ہیں، شطرنج کی چال بھی چل رہے ہیں اور ساتھ ہی ایک شاگرد کو الافق المبین (جیسی مشکل و دقیق کتاب) کا درس بھی دے رہے ہیں اور کتاب کے مطالب اپنے حسنِ بیان سے طالب علم کے ذہن نشین بھی کر رہے ہیں۔

## علامہ اور مرزا غالب

علامہ کے ساتھ بڑی فیاضی کا معاملہ فرمایا گیا تھا اور انہیں بہت سی ایسی نعمتیں ودیعت کی گئی تھیں جو بہت ہی کم کسی ایک شخص میں جمع ہوتی ہیں۔ وہ "صاحبِ دولت" تھے۔

.com

ایک طرف وہ علوم کمالات سے بہرہ ور تھے تو دوسری طرف وہ صاحب ثروت اور ایک اعلیٰ دنیوی منصب پر سرفراز تھے، اسی طرح ایک طرف وہ فلسفی تھے تو دوسری طرف شعر و سخن کا ذوق بھی ارزانی ہوا تھا۔ شعر و سخن کی انس و ہم نوائی نے مرزا غالب سے ان کا رشتۂ خلت و اخوت استوار کیا تھا، غالب فارسی کے بھی عظیم شاعر تھے اور اردو کے بھی، فارسی شاعری کی خوشبو تو بعد میں پھیلی، پہلے تو وہ اردو شاعری کے ذریعے متعارف ہوئے تھے مگر بیدل کے اتباع اور مشکل پسندی کی وجہ سے ان کے قبول عام کی رفتار تیز نہیں تھی۔ علامہ ہی کے مشورے تھے جن پر عمل کر کے غالب نے اپنے بہت سے "مشکل" اشعار قلم زد کر دیئے اور آئندہ بھی اپنا رنگ بدل لیا جس کی بنا پر وہ اپنی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کروا سکے۔

علامہ اور غالب ہم سن تھے، وہ خیرآباد سے اور یہ آگرے سے تقریباً ایک ہی زمانے میں دہلی آ کر رہے تھے۔ علامہ کا دولت خانہ (بارہ دری شیر افگن خاں) اور غالب کا مسجد کے زیر سایہ والا مکان بھی نزدیک ہی تھے۔ علامہ تو ابتدا سے انتہا تک مدرس رہے۔ غالب بھی ابتدائی عمر میں امرا کے بچوں کو فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ دونوں کے کئی شاگرد بھی مشترک تھے۔ کئی احباب مشترک تھے۔ غرض اس طرح دونوں میں باہم ارتباط و اتحاد کے کئی رشتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے محاسن و کمالات کے ذکر و اعتراف سے کبھی نہیں چوکتے تھے۔

کسی دوست کی سب سے بڑی خدمت اس کی رہ نمائی اور غلط روی پر ٹوکنا ہے۔ اور صحیح مشورے دینا ہے۔ علامہ نے غالب کی مشکل پسندی پر ٹوکا اور آسان زبان میں شعر کہنے کا مشورہ دیا۔ غالب نے بقول مولانا حالی اپنا دو ثلث کلام قلم زد اور منسوخ کر دیا اور آئندہ کے لیے یہ روش ترک کر دی اور نتیجہ یہ نکلا کہ غالب کا یہ مختصر دیوان اردو کا سب سے بڑا مجموعۂ کلام بن کر چمکا۔

غالب ابتدا میں برسوں امرا و رؤسا کے بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ علامہ کے دربار رام پور سے جو مراسم تھے غالباً اسی کی بنا پر رام پور کے ولی عہد یوسف علی خاں جو حصول تعلیم کے لیے دہلی میں مقیم تھے۔ غالب ان کی تعلیم کے لیے منتخب ہوئے۔ یہ ۱۸۲۷ء (غالب کے سفر کلکتہ سے پہلے کی بات ہے)

© rasailojaraid.com